An International Journal of ISLAMIC AND SOCIAL SCIENCES

PAKISTAN ISLAMICUS

(An International Journal of Islamic and Social Sciences)

October-December, 2025, Volume:05, Issue:04 Pages:25-37

Journal Website: https://pakistanislamicus.com/index.php/home

Publisher Website: https://www.mircpk.net

دعوت دین کی راہ میں روایتی دینی فکر سے پیش آنے والی رکاوٹیں، اسباب وسد باب: ایک تنقیدی وتجزیاتی مطالعہ

OBSTACLES ARISING FROM TRADITIONAL RELIGIOUS THOUGHT IN THE PATH OF DA'WAH, THEIR CAUSES AND REMEDIES: A CRITICAL AND ANALYTICAL STUDY

***Dr Irfan Shahzad[1], Dr Abdul Basit[2]**

[1] *Assistant Professor/In Charge Department of Islamic Studies the Virtual University of Pakistan.*

[2] *Instructor, Department of Islamic studies the Virtual University of Pakistan.*

HEC "Y" Category HJRS HEC Journal Recognition System

ARTICLE INFO

Article History:

Received: September 23, 2025

Revised: October 15, 2025

Accepted: October 18, 2025

Available Online: October 21, 2025

Keywords:

Da'wah of Deen & Dominance of Deen

Purification of Soul

Islamic Appearance & Cultural Identity

Code of Life

Islamic Caliphate

Funding:

This research journal (PIIJISS) doesn't receive any specific grant from any funding agency in the public, commercial, or not-for-profit sectors.

Copyrights:

Copyright Muslim Intellectuals Research Center. All Rights Reserved © 2021. This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

ABSTRACT

The traditional Fiqhī view that establishing the subjugation of non-Muslims by an ideal Islamic Caliphate or State is a religious obligation for Muslims has been one of the biggest barriers to preaching Islam to non-Muslims, especially in the modern era of nation-states, where the right to self-determination is a principle of international law. Another obstacle is the belief that Islam requires Muslims to maintain distinct cultural identities, making it obligatory for them to appear different from non-Muslims. The idea that adopting cultural similarities with non-Muslims is offensive and invites a divine curse is also a barrier. Additionally, the notion that Islam is a complete code of life meant to replace all other systems, as they are considered un-Islamic, has alienated non-Muslims. If these ideas are genuinely Islamic, then Muslims have no choice but to present Islam as it is, whether others accept it or not. However, the authors of this paper argue that these concepts are not grounded in Islam but rather were later incorporated due to political, social, and cultural influences, and are based on misinterpretations of foundational texts (Nasūs). The duty to establish Islam's supremacy was specific to the Prophet (Rasūl), and after him, it became more about Muslim dominance rather than the dominance of Islam itself. Muslims' behavior now determines their standing. The establishment of a Muslim empire was a divine promise to the Prophet's Companions, not a command for all Muslims to create such a state. The Quran and Sunnah do not require Muslims to differentiate themselves culturally from non-Muslims unless such resemblance involves polytheism or unethical practices. Islam does not provide a strict system for managing worldly affairs but offers guidelines to correct and balance existing systems. The primary objective of Islam is to purify individuals' beliefs, ethics, and personal cleanliness. To this end, it provides guidance for both individual and collective aspects of life. The article follows a descriptive-analytical methodology, with translations of Quranic verses drawn from Al-Bayan by Javed Ahmad Ghamidi.

***Corresponding Author's Email: irfanshehzad76@gmail.com**

مقالہ جات کی فہرست کی ضرورت واہمیت

دعوتِ دین اسلامی شریعت کا بنیادی اور اولین فریضہ ہے، جس کی ذمہ داری براہِ راست قرآن وسنت نے مسلمانوں پر عائد کی ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر دعوت کو "خیر کی طرف بلانے"، "نیکی کا حکم دینے" اور "برائی سے روکنے" کے فریضے کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ"

(اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف بلائے، نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے، اور یہی لوگ کامیاب ہیں)[1]

اسی طرح دعوت دین کے اسلوب سے متعلق اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا:

ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۖ

(اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ)[2]

احادیثِ نبویہ میں بھی دعوت کے اجر اور ذمہ داری کو نہایت واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((من دلّ على خير فله مثل أجر فاعله))

تم میں سے جو کوئی ایک اچھے راستے کی طرف رہنمائی کرے، اسے اُس کے کرنے والے کے برابر ثواب ملے گا۔)[3]

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا :

((فوالله لأن يهدي الله بك رجلاً واحداً خير لك من حمر النعم))

(اگر اللہ تمہارے ذریعے ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو یہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔)[4]

یوں کتاب و سنت واضح کرتی ہیں کہ دعوتِ دین محض ایک وابستگی نہیں، امت مسلمہ کی اجتماعی ذمہ داری ہے۔ تاہم دعوت کی کامیابی اس وقت ممکن ہے جب اسے دین کے اصل مقاصد، یعنی اللہ کی معرفت، توحید، رسالت اور انسانی کردار و فکر کی اصلاح کے ساتھ پیش کیا جائے۔ موضوع کے پیش نظر اسی دائرے میں دعوت کی راہ میں روایتی فکری رکاوٹوں کا تجزیہ نہایت اہمیت رکھتا ہے۔ زیر نظر مقالہ **"دعوتِ دین کی راہ میں روایتی دینی فکر سے پیش آنے والی رکاوٹیں، اسباب و سدباب: ایک تنقیدی و تجزیاتی مطالعہ"** کا بنیادی مقدمہ یہ ہے کہ دین کی دعوت میں سب سے بڑی رکاوٹ وہ فکری تعبیرات ہیں جو اسلام کو ایک ایسے سیاسی و تہذیبی حریف کے طور پر پیش کرتی ہیں جس کا مقصد غیر مسلم اقوام کو محکوم بنانا، دنیا پر سیاسی غلبہ قائم کرنا اور ریاست کے حصول کے بعد تمام موجودہ نظاموں کو لازماً اسلامی نظام سے بدل دینا ہے۔ اس تصور کے مطابق:

- جو غیر مسلم دعوت قبول نہ کریں ان پر سیاسی غلبہ قائم کرنا دین کا تقاضا ہے
- اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے جو اقتدار کے بعد دنیا کے تمام معاشی، سماجی اور تہذیبی ڈھانچوں کا متبادل فراہم کرتا ہے۔
- مسلمانوں کے لیے ایک مخصوص ظاہری اور تہذیبی امتیاز لازم ہے تاکہ مسلم و غیر مسلم کی حدود واضح رہیں۔

ان افکار کی بنا پر اسلام دنیا کے سامنے ایک سیاسی و تہذیبی چیلنج کے طور پر آتا ہے اور مخاطبین میں یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ اسلام ان کی قومی و تہذیبی آزادی کو ختم کر دینا چاہتا ہے۔ اگر واقعی دین کا مطالبہ یہی ہوتا تو اسے اسی انداز میں پیش کرنا مسلمانوں کی ذمہ داری بنتی، چاہے اس سے دعوت کے نتائج جیسے بھی سامنے آئیں۔ تاہم مقالہ نگار کے نزدیک دعوت دین کی اصل حقیقت اس سے مختلف ہے۔ اور اسے بالخصوص سورۃ النحل میں موجود حکم ربانی کے پیش نظر فروغ دینا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

"اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ-اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ"

(اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان سے اس طریقے سے بحث کرو جو سب سے اچھا ہو، بیشک تمہارا رب اسے خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے گمراہ ہوا اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔)[5]

مقالہ نگار دعوت دین کے بنیادی مقاصد کو یوں بیان کرتا ہے:

- دین کا اصل مقصد فرد اور معاشرے کے تزکیہ نفس کی تشکیل ہے، تاکہ ہر شخص ایک اخلاقی معیار حاصل کر کے آخرت میں سرخرو ہو سکے۔
- غلبۂ دین کا کوئی مطالبہ خود دین نے نہیں کیا۔ اگر کہیں غلبہ ہو تو وہ مسلمانوں کا ہوگا، دین کا نہیں؛ دین کے غلبے کا مطالبہ صرف رسول اللہ ﷺ سے متعلق تھا۔[6]
- خلافتِ راشدہ کا قیام ایک تاریخی حقیقت اور خدا کے خصوصی وعدے کا ظہور تھا، اس لیے اسے آفاقی دینی حکم نہیں بنایا جا سکتا۔
- دین کوئی جامع ریاستی نظام نہیں بلکہ تزکیۂ فرد اور اصلاحِ معاشرہ کے بنیادی اصولی ہدایات فراہم کرتا ہے، تاکہ انسان اپنے بنائے ہوئے نظاموں کی درستگی کر سکے۔
- دین کسی مخصوص تہذیبی یا ثقافتی امتیاز کا پابند نہیں کرتا۔ دینی شعائر تہذیبی مظاہر کا حصہ بن کر چند دینی امتیازات ضرور قائم کرتے ہیں، مگر مصنوعی تہذیبی علامتوں کو دین کا حصہ بنانا بدعت ہے جو اجنبیت اور نفرت کو جنم دیتی ہے۔

اگر دعوتِ دین میں سیاسی بالادستی، تہذیبی غلبے اور خارجی علاماتی امتیاز کے بجائے معرفتِ الٰہی، توحید، رسالت، آخرت اور تزکیۂ نفس کو مرکزی مقام دیا جائے تو یہ دعوت نہ صرف دین کے اصل مقاصد سے ہم آہنگ ہوگی بلکہ انسانیت کے لیے زیادہ قابل فہم اور قابل قبول بھی ثابت ہوگی۔

یہ بحث جدید حالات اور ذہنی دباؤ کے تناظر میں جنم لیتی ہے، ورنہ انسانیت کی دائمی فلاح کا راستہ ہمیشہ سے ایک ہی ہے۔

مبحث

دین خدا کے نزدیک اسلام ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

"إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَام"

(اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔)[7]

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ"

اور جو اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے گا تو اُس سے وہ ہر گز قبول نہ کیا جائے گا اور قیامت میں وہ نامرادوں میں سے ہو گا۔) [8]

قران مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کو یہ پیغام دیتا ہے کہ دینِ اسلام خدا کی طرف سے نازل کردہ ہدایت ہے، جسے اس نے اپنے منتخب رسولوں کے ذریعے سے انسانوں کے لیے خدا کے تعارف، آخرت میں جواب دہی کے اعلان اور اس کی تیاری کے لیے تزکیہ نفس کے مکمل پروگرام اور قانون اور اخلاق کے دائروں میں درست، متوازن اور اصولی رہنمائی کے ساتھ بھیجا ہے، تاکہ انسان دنیا اور آخرت میں فلاح یافتہ بن سکے۔

دین کا مقصد تزکیہءِ نفوس ہے:

"هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ"

(اُسی نے امیوں کے اندر ایک رسول اُنھی میں سے اٹھایا ہے جو اُس کی آیتیں اُنھیں سناتا اور اُن کا تزکیہ کرتا ہے، اور (اِس کے لیے) اُنھیں قانون اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اِس سے پہلے یہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے۔) [9]

قیام خلافت ایک تاریخی واقعہ تھا، مگر ایک پوری تہذیبی روایت سے ملنے والے دین اور تاریخِ دین کی پوری تراث بھی دین بن گئی۔ دین کے غلبے کے نام پر مسلمانوں کے سیاسی غلبے کو بھی مقاصدِ دینیہ میں شامل کر لیا گیا۔ اس واقعے کو بنیاد مان کر اس کی فقہی توجیہات بھی کر لی گئیں۔ سقوطِ خلافت کے بعد کے دورِ زوال مغربی اقوام کے سیاسی اور تہذیبی غلبے کو مشرقی اقوام پر برتری کی بجائے اسلام کے خلاف برتری کے طور پر پیش کیا گیا۔ مسلم ادب و شاعری نے مسلمانوں کی عظمت رفتہ کے نوحے لکھے۔ مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لیے بہت سی تحریکیں برپا ہوئیں۔ اس سے غلبہءِ اسلام کے نام پر مسلمانوں کی عالم گیر حکومت کا تصور مسلم علم اور ان کی نفسیات دونوں کا حصہ بن گئے۔

ادھر مغربی فلسفے کے تحت قومیت کے جدید سیاسی تصور نے پوری دنیا کے اذہان کو اپنے حصار میں لے لیا۔ اس تصور کے تحت ایک مخصوص جغرافیہ میں رہنے والے لوگ، رنگ، نسل، مذہب کے فرق کے باوجود ایک قوم قرار پائے، جن پر حق حکم رانی ان کی اپنی قوم کے علاوہ کسی کو نہیں۔ جنگ عظیم کے بعد کی جدید قومی ریاستوں کا دور شروع ہوا جس نے قوموں کی خود مختاری کو ایک بین الاقوامی اصول کے طور پر تسلیم کر لیا۔ قومی ریاست مسلم علمیات کے لیے ایک نیا مظہر ہے جس کی بنیادی قدر ایک جغرافیہ میں رہنے والی اقوام کے مجموعے کو بلا امتیاز ایک قوم قرار دینا اور اس قوم کی خود مختاری کا حق تسلیم کرنا ہے۔ اس خود مختاری کے خلاف کوئی بھی اقدام بین الاقوامی قانون کی رو سے جارحیت سمجھا جاتا ہے۔ اپنے ہم قوم کے لیے یہ حق حکم رانی ایسا تقدس اختیار کر گیا جس کے لیے انسانی جانیں لی بھی جا سکتی ہیں اور اپنی جانیں قربان بھی کی جا سکتی ہیں۔ اس حساسیت نے کسی ایک قوم کے عالم گیر سیاسی غلبے کے تصور کو یکسر رد کر دیا۔

قومی ریاستوں کے اس دور میں جب کہ اقوام کی خود مختاری کو بین الاقوامی سطح پر ایک متفقہ قدر کے طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے، ایسے دینی فکر کو شک کی نظر سے دیکھا جانے لگا جس کی دعوت ان کی قومی آزادی سلب کرنے کی صورت پر منتج ہو سکتی ہے۔ اسلاموفوبیا اس احساس کا ردعمل ہے۔

مسلم اذہان نے وطنی قومیت کے اس نظریہ میں دینی مسلم قومیت کا تصور داخل کیا۔ اسی بنیاد پر احیائے خلافت کا خواب مسلم قومی خواب کی حیثیت سے ابھرا۔ علما، ادبا اور شعرا نے اس کی آب یاری کی۔ یوں عالم اسلام میں بے شمار جہادی تحاریک برپا ہوئیں جو سب کی سب ناکامی سے دوچار ہوئیں۔

ادھر مسلم روایتی علمی اور فقہی ڈسکورس نے عالم گیر خلافت کے قیام کو پہلے سے علمی اور اخلاقی جواز مہیا کر رکھا تھا۔ دور جدید کی قومی ریاستوں میں بھی اسلامی حکومتوں اور ایک اسلامی حکومت کا قیام حوصلہ مند اسلام پسند (اسلامسٹ) حلقوں کے لیے دین کا مطمح نظر بنا ہوا ہے جس کے لیے وہ جمہوری اور غیر جمہوری ہر کوشش میں مصروف ہیں۔ لیکن عالمی ضمیر کسی ایک قوم کے عالم گیر سیاسی غلبے کو اب قبول کرنے کو تیار نہیں۔ سامراج کے خاتمے، قومی ریاستوں اور اقوام متحدہ جیسے بین الاقوامی ادارے کے قیام کے بعد کے بین الاقوامی تناظر میں بڑی بنیادی تبدیلیاں آگئی ہیں۔ قومی ریاستوں کے اس دور میں بین الاقوامی سطح پر اصولی طور پر یہ طے ہو چکا ہے کہ ایک متعین جغرافیہ کی حامل ایک قوم کسی دوسری قوم کے حدود میں مداخلت نہیں کر سکتی۔

اس تناظر میں غیر مسلم حکومتوں کو عالم گیر خلافت کے تحت محکوم بنا لینے کا تصور، دعوت دین میں بڑی رکاوٹ ہے۔ جب ان غیر مسلم اقوام کو اسلام کی دعوت اس آگاہی کے ساتھ دی جائے کہ اس تبلیغ کے ذریعے سے مسلمانوں کی تعداد اور طاقت میں اضافہ مقصود ہے، جب ان کی تعداد اور قوت زیادہ ہو جائے گی تو وہ اسلام کی دعوت قبول نہ کرنے والی ریاستوں کو اپنے زیر حکومت لائیں گے، ان پر غیر مسلم ہونے کی بنا پر جزیہ لگائیں گے، تو دعوت کے مخاطبین غیر مسلم افراد ایسے بیانیے کے حامل دین کو قبول کرنے پر تیار نہیں ہو سکتے جو ان کی قومی آزادی کے لیے کسی بھی وقت خطرہ بن سکتا ہے بلکہ دنیا کے امن کے لیے خطرہ بن سکتا ہے۔

طاقت کے اس معیار پر پہنچنا کہ اقوام کی خود مختاری کے عالمی سطح پر تسلم شدہ بیانیے اور قوام

متحدہ جیسے عالمی نگران اداروں کی موجودگی میں دیگر ریاستوں کو محکوم بنایا جا سکے، عملا ناممکن دکھائی دیتا ہے، لیکن یہ بیانیہ بہر حال سماجی سطح پر افکار اور اذہان ہی میں نہیں، سماج میں بھی تصادم پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس کے مظاہر طالبان، داعش اور بوکو حرام جیسی متعدد تنظیموں کی شکل میں سامنے آتے رہتے ہیں۔ نیز یہ بیانیہ ایک ایسا شہری بہر حال تشکیل دیتا ہے جو خلافت کے قیام کے لیے موقع ملنے پر اپنے سماج کے خلاف بھی جا سکتا ہے۔ چنانچہ ایسے دین کو قبول کرنا جس کے نتیجے میں دیگر افراد اور قوموں کی محکومی یا کم از کم انفرادی سطح پر غلبے کی تگ و دو میں ایک سماج کے افراد کے درمیان تصادم کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے، غیر مسلم افراد اور اقوام کے لیے قابل قبول نہیں رہتا، سوائے یہ کہ انھیں اس مکمل ایجنڈا سے بے خبر رکھ کر اسلام کی دعوت دی جائے۔

دین کا تقاضا اگر یہی ہے کہ دین کو سیاسی سطح پر دنیا بھر میں غالب کیا جائے، چاہے لوگ اسلام قبول کریں یا نہ کریں تو ایک مسلمان کی ذمہ داری یہی ہونی چاہیے کہ وہ نتائج کی پروا کیے بغیر بساط بھر اس پر عمل کرتا رہے۔ لیکن اگر ایسا نہیں تو یہ خدا کے دین کی ایسی تعبیر قرار پائے گی جس کی وجہ سے خدا کا دین لوگوں کے لیے ناقابل قبول قرار پاتا ہے۔ مقالہ نگار خود کو ثانی الذکر سے متفق پاتا ہے۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں ہو سکتیں کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت اور آپؐ کا اسوہ حسنہ امت کے لیے واجب التقلید نمونہ عمل ہے۔

یہاں البتہ چند سوال پیدا ہوتے ہیں:

- کیا آپؐ کا اپنے مخالفین پر غلبہ پانا آپ کی سنت میں شامل ہے جس کی تقلید مسلمانوں پر واجب ہے؟
- کیا صحابہ نے آپؐ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے بازنطینیوں اور ایرانیوں کو زیر نگیں کیا؟ اور کیا اس بنا پر دیگر مسلمانوں کے لیے بھی دین کی متعین راہ یہی قرار پاتی ہے؟

ہمارے نزدیک سنت رسول اسے ہی قرار دیا جا سکتا ہے جو اپنی نوعیت سے دین ہو۔ بصورت دیگر آپؐ کا عمل ذاتی، عادتی، ذوقی، زمانی اور اتفاقی انتساب کا حامل ہوگا، جسے ہم سر گزشت اور شمائل کے زمرے میں رکھ سکتے ہیں لیکن دین کے تقاضوں کے لحاظ سے نہیں کہا جا سکتا۔ سنت کی اس تعیین کے بعد ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آیا آپؐ کا اپنے مخالفین پر غلبہ پانا سنت ہے یا وہ آپؐ کو پیش آنے والے چند خاص حالات تھے جن کا تعلق آپؐ کی سر گزشت سے ہے۔

غلبہ اسلام کے تصور کا تاریخی تناظر

آخری رسول، محمد رسول اللہ ﷺ کے توسط سے حجاز کے علاقے میں اس دین کی آخری بار تجدید ہوئی جس کی ابتدا آدم علیہ السلام سے ہوئی تھی۔ دین مکمل کر دیا گیا۔ قرآن اور سنتِ رسول محفوظ کر دیے گئے۔ چنانچہ رسالت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا اور اب باقی دنیا کو دین کے ابلاغ کی ذمہ داری امت وسط کے سپرد کر دی گئی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

"وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۗ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ وَإِن كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ"

(اور (جس طرح مسجد حرام کو تمھارا قبلہ ٹھیرایا ہے)، اُسی طرح ہم نے تمھیں بھی ایک درمیان کی جماعت بنا دیا ہے تاکہ تم دنیا کے سب لوگوں پر (حق کی) شہادت دینے والے بنو اور اللہ کا رسول تم پر یہ شہادت دے۔ اور اِس سے پہلے، (اے پیغمبر)، جس قبلے پر تم تھے، اُسے تو ہم نے صرف یہ دیکھنے کے لیے ٹھیرایا تھا کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹے پائوں پھر جاتا ہے۔ اِس میں شبہ نہیں کہ یہ ایک بھاری بات تھی، مگر اُن کے لیے نہیں، جنھیں اللہ ہدایت سے بہرہ یاب کرے۔ اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ (اِس طرح کی آزمایش سے وہ) تم لوگوں کے ایمان کو ضائع کرنا چاہے۔ اللہ تو لوگوں کے لیے بڑا مہربان ہے، سراسر رحمت ہے۔)[10]

حجۃ الوداع کے موقع پر محمد رسول اللہ ﷺ نے دین کا خلاصہ پیش فرما کر اس کے ابلاغ کی ذمہ داری اس امت کے حوالے فرمائی:

((فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الغَائِبَ، فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعَى مِنْ سَامِعٍ))

جو تم میں سے حاضر ہے وہ اس کو یہ پیغام پہنچا دے جو یہاں موجود نہیں ہے۔ پس بہت سے ایسے لوگ کہ جنھیں یہ پیغام پہنچایا جائے گا وہ (اس پیغام کو یہاں پر) سننے والوں سے زیادہ محفوظ رکھنے والے ہوں گے۔[11]

محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے سے دین کی تبلیغ کے دوران میں آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کو کچھ خاص حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ آپؐ کی بے جا مخالفت میں آپؐ کے مخالف قریش نے آپؐ اور آپؐ کے لائے پیغام کو مٹانے کی کوشش کی۔ جس کے نتیجے میں آپؐ کو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ رخصت ہونا پڑا۔ یہاں مدینہ کے سرداروں نے آپؐ کو نہ صرف اپنا دینی بلکہ سیاسی رہنما بھی تسلیم کر لیا۔ آپؐ عرب کے قبائلی ماحول میں ایک مرکزی نظم حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اسی تناظر میں سیاست و حکومت سے متعلق دین کے احکامات نازل ہوئے۔ رسولوں کا غلبہ سنن الٰہیہ میں طے ہے۔ یہ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے:

"انَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ﴿٢٠﴾ كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي ۚ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ"[12]

خدا کے اس قانون کے تحت آپؐ نے جزیرہ نمائے عرب میں اپنے مخالفین کو اپنے

ساتھیوں کی مدد سے شکست دی۔ پورے حجاز پر آپؐ کا غلبہ قائم ہوگیا۔ یوں خدا کے وعدے آپؐ کے حق میں پورے ہوگئے۔ دین کا ابلاغ اب امت کی ذمہ داری تھی، تاہم، اس کے ساتھ اوّلین مسلمین کی جماعت نے ایک بڑی مسلم سلطنت بھی قائم کرلی۔ جس کا وعدہ خدا نے ان کے ساتھ کر رکھا تھا:

"وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ"

((تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے اچھے عمل کیے ہیں، اُن سے اللہ کا وعدہ ہے کہ اُن کو وہ اِس سرزمین میں ضرور اُسی طرح اقتدار عطا فرمائے گا، جس طرح اُن سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو اُس نے عطا فرمایا تھا اور اُن کے لیے اُن کے دین کو پوری طرح قائم کر دے گا جسے اُس نے اُن کے لیے پسند فرمایا ہے اور اُن کے اِس خوف کی حالت کے بعد اِسے ضرور امن سے بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے، کسی چیز کو میرا شریک نہ ٹھیرائیں گے۔ اور جو اِس کے بعد بھی منکر ہوں تو وہی نافرمان ہیں۔))[13]

اسے آگے بڑھاتے ہوئے، ان کے لیے ایک عظیم سلطنت کے قیام کی نوید سنائی گئی ہے:

"أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۖ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُم مُّلْكًا عَظِيمًا"

((کیا یہ لوگوں سے اللہ کی اُس عنایت پر حسد کر رہے ہیں جو اُس نے اُن پر کی ہے؟ یہی بات ہے تو سن لیں کہ ہم نے تو اولاد ابراہیم (کی اِس شاخ) کو اپنی شریعت اور اپنی حکمت بخش دی اور اُنھیں ایک عظیم بادشاہی عطا فرما دی ہے۔))[14]

انھوں نے اپنی ہمسایہ سلطنتوں: بازنطین (روم) اور ایران کو قبولِ اسلام، جزیہ کی ادائیگی یا جنگ کے ذریعے سے فتح و شکست کے انتخابات دیے، جس کے نتیجے میں ہونے والی جنگوں میں بازنطین اور ایران کو شکست دے کر ایک عظیم سلطنت کی بنیاد رکھ دی۔ خلافت راشدہ کے نام سے قائم ہونے والا یہ نظمِ حکومت بعد ازاں بنو امیہ، بنو عباس اور دیگر چھوٹی بڑی خلافتوں اور پھر خلافت عثمانیہ کی بادشاہتوں کے طویل ادوار سے گزر کر مسلم نفسیات میں دین کے ساتھ سلطنت کو لازم و ملزوم بنا گیا۔ 1924 میں خلافت عثمانیہ کا خاتمہ عالم اسلام کے لیے ایک عظیم قومی سانحہ بن کر سامنے آیا۔ نوآبادیاتی دور شروع ہو چکا تھا۔ اکثر مسلم ممالک یورپی نوآبادیاتی قوتوں کے محکوم ہو گئے۔ اس سے ان کا قومی احساس تفاخر مجروح ہوا۔ ناول نگاروں اور شعرا نے عظمت رفتہ پر نوحے کہے، کہانیاں لکھیں اور مسلمانوں کے سیاسی غلبہ کی نفسیات میں حصول خلافت کی تمنا پیدا کر دی۔

روایتی بیانیہ

ہماری دینی علمی فقہی روایت میں رسول اللہ ﷺ کا اپنے مخالفین پر غلبہ پانا اسلام کے عالم گیر غلبے کی ابتدا قرار دیا گیا ہے جس کی تکمیل پہلے صحابہ اور ان کے بعد تمام امت کی ذمہ داری ہے۔ امام قرطبیؒ تفسیر قرطبیؒ آیت

" وَقاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنِ انْتَهَوْا فَلا عُدْوانَ إِلاَّ عَلَى الظَّالِمِين"

کے تحت لکھتے ہیں:

[وَقاتِلُوهُمْ" أَمْرٌ بِالْقِتَالِ لِكُلِّ مُشْرِكٍ فِي كُلِّ مَوْضِعٍ، عَلَى مَنْ رَآهَا نَاسِخَةً. وَمَنْ رَآهَا غَيْرَ نَاسِخَةٍ قَالَ: الْمَعْنَى قَاتِلُوا هَؤُلَاءِ الَّذِينَ قَالَ اللَّهُ فِيهِمْ:" فَإِنْ قاتَلُوكُمْ" وَالْأَوَّلُ أَظْهَرُ، وَهُوَ أَمْرٌ بِقِتَالٍ مُطْلَقٍ لَا بِشَرْطٍ أَنْ يَبْدَأَ الْكُفَّارَ. دَلِيلُ ذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى:" وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ"، وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: (أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إله إِلَّا اللَّهُ (. فَدَلَّتِ الْآيَةُ وَالْحَدِيثُ عَلَى أَنَّ سَبَبَ الْقِتَالِ هُوَ الْكُفْرُ، لِأَنَّهُ قَالَ:" حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ" أَيْ كُفْرٌ، فَجَعَلَ الْغَايَةَ عَدَمَ الْكُفْرِ، وَهَذَا ظَاهِر]

((اور ان سے قتال کرو۔ قتال کا یہ حکم ہر مشرک سے ہر جگہ کے لیے ہے۔ یہ اس کا نقطہ نظر ہے جو اس آیت کو ناسخ مانتا ہے (ان آیات کا ناسخ جن میں کفار کے صلح اور معاہدہ کرنے اور غیر مقاتلین سے تعرض نہ کرنے وغیرہ کرنے کے احکام دیے گیے ہیں۔) اور جو اس آیت کو ناسخ نہیں مانتا اس کا کہنا ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ ان (کفار) سے قتال کرو جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر وہ تم سے قتال کریں۔ تاہم اول الذکر بات زیادہ واضح یعنی یہ مطلق قتال کا حکم بغیر اس شرط کے ہے کہ ابتدا کفار کی طرف سے ہو۔ اس پر دلیل اللہ تعالی کا یہ قول ہے "(اور ان سے قتال کرو) یہاں تک کہ دین سارے کا سارا اللہ کا ہو جائے"۔ اور آپؐ کا ارشاد ہے۔ "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے قتال کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیں۔ یہ آیت اور حدیث اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ قتال کی علت کفر ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ (ان سے قتال جاری رکھو) یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔ یعنی کفر باقی نہ رہے۔ چنانچہ قتال کی غایت کفر قرار دی گئی ہے اور یہ ظاہر ہے۔))[15]

امام سرخسی المبسوط میں لکھتے ہیں:

[الشِّرْكُ فَهُوَ أَعْظَمُ مَا يَكُونُ مِنْ الْجَهْلِ وَالْعِنَادِ لِمَا فِيهِ إنْكَارِ الْحَقِّ مِنْ غَيْرِتَأْوِيلٍ فَعَلَى كُلِّ مُؤْمِنٍ أَنْ يُنْهِيَ عَنْهُ بِمَا يَقْدِرُعَلَيْه]

((شرک کی برائی جہالت اور عناد سے پیدا ہونے والی برائیوں میں سب سے بڑھ کر ہے، اس لیے کہ اس میں بلاتاویل انکارِ حق پایا جاتا ہے، چنانچہ ہر مسلمان پر بقدر استطاعت اس کا روکنا فرض ہے۔))[16]

امام سرخسی مزید لکھتے ہیں:

[وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - «أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إلَهَ إلَّا اللَّهُ فَإِذَا قَالُوهَا فَقَدْ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ» فَاسْتَقَرَّ الْأَمْرُ عَلَى فَرْضِيَّةِ الْجِهَادِ مَعَ الْمُشْرِكِينَ وَهُوَ فَرْضٌ قَائِمٌ إلَى قِيَامِ السَّاعَةِ قَالَ النَّبِيُّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - «الْجِهَادُ مَاضٍ مُنْذُ بَعَثَنِي اللَّهُ تَعَالَى إلَى أَنْ يُقَاتِلَ آخِرُ عِصَابَةٍ مِنْ أُمَّتِي الدَّجَّالَ]

((رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے اس وقت تک قتال جاری رکھوں جب تک وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار نہ کر لیں، جب وہ ایسا کر لیں تو انہوں نے مجھ سے اپنی جان اور مال بچا لیا، سوائے اسلام کے حق اور ان کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔" مشرکین کے ساتھ جہاد کا فرض ہونا یہاں طے ہو جاتا ہے، اور یہ فرض قیامت تک قائم رہے گا، نبی ﷺ نے فرمایا، "جہاد جاری رہے گا میری بعثت سے لے کر میری امت کے اس آخری گروہ تک جو دجال سے جنگ کرے گا۔"))[17]

یعنی مشرک اقوام سے محض اس لیے قیامت تک جنگ جاری رکھی جائے گی کہ وہ مشرک ہیں۔ مبسوط کی درج ذیل عبارت دیکھیے:

((وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا -: «مَا قَاتَلَ رَسُولُ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - قَوْمًا حَتَّى دَعَاهُمْ إلَى الْإِسْلَامِ» وَهَذَا لِأَنَّهُمْ لَا يَدْرُونَ عَلَى مَاذَا يُقَاتِلُونَ فَرُبَّمَا يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ لُصُوصٌ قَصَدُوا أَمْوَالَهُمْ))

ابن عباس فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ کسی قوم سے اس وقت تک جنگ نہیں کرتے تھے جب تک انہیں اسلام کی دعوت نہ دیتے تھے، یہ اس لیے کہ اگر دعوت دیے بغیر قتال کیا جائے گا تو ان کفار کو معلوم نہ ہوگا کہ مسلمان ان سے کیوں لڑ رہے ہیں، ہو سکتا ہے وہ یہ سمجھیں کہ یہ لٹیرے ہیں، جن کا مقصد ان کا مال لوٹنا ہے۔[18]

امام سرخسی کی اس بات کی مزید وضاحت کے لیے مبسوط کی درج ذیل عبارت دیکھیے:

[وَإِنْ لَمْ تَكُنْ الْمُوَادَعَةُ خَيْرًا لِلْمُسْلِمِينَ فَلَا يَنْبَغِي أَنْ يُوَادِعَهُمْ لِقَوْلِهِ تَعَالَى {فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ} [محمد: 35]، وَلِأَنَّ قِتَالَ الْمُشْرِكِينَ فَرْضٌ، وَتَرْكُ مَا هُوَ الْفَرْضُ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ لَا يَجُوز]

(اگر صلح مسلمانوں کے حق میں بہتر نہ ہو، تو صلح نہیں کرنا چاہیے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے، "پس تم بودے نہ بنو اور صلح کی درخواست نہ کرو تم ہی غالب رہنے والے ہو"، نیز اس وجہ سے بھی صلح نہیں کرنی چاہیے کہ مشرکین سے جنگ کرنا فرض ہے اور بلا عذر فرض کو ترک کرنا جائز نہیں)[19]

یعنی غیر مسلموں سے صلح کی وجہ کوئی مجبوری ہو تو ہو، محض جنگ سے رکنا صلح کی وجہ نہیں ہونی چاہیے، ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ مشرکین سے جنگ کرنا فرض ہے۔ غیر مسلموں سے جنگ کی وجہ محض ان کا کفر ہے یا ان کی طرف سے فتنہ و فساد اس میں حنبلی اور شافعی فقہا بالکل یکسو ہیں کہ غیر مسلموں کا کفر ہی ان کے ساتھ جنگ کرنے کا سبب ہے۔

{اہل علم کے ایک دوسرے گروہ نے، جن میں شافعی، احمد بن حنبل اور ابن حزم جیسے ائمہ شامل ہیں، زیر بحث نصوص میں سے **'فاقتلوا المشرکین'** کو اس باب میں اصل اور اساس قرار دیتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ کفار کو قبول اسلام پر مجبور کرنے اور انکار کی صورت میں ان کو قتل کر دینے کا حکم شریعت کے اصل اور مقصود بالذات حکم کی حیثیت رکھتا ہے اور اپنی علت و نوعیت کے لحاظ سے اصلاً اس کا اطلاق دنیا کے تمام کفار پر ہوتا ہے۔ البتہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ اور مجوس کو چونکہ خود اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر نے خاص رعایت دیتے ہوئے اپنے مذہب پر قائم رہنے کی اجازت دی ہے، اس لیے وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔}[20]

خلافت کے قیام کا وجوب

ان جنگی یا جہادی مقاصد کے لیے اسلامی حکومت کی ضرورت ہے اور اس کا حصول بھی واجب کے درجے میں سمجھا گیا ہے۔ الجزیری لکھتے ہیں:

[اتفق الأئمة رحمهم الله تعالى على: أن الإمامة فرض، و أنه لا بد للمسليمن من إمام يقيم شعائر الدين وينصف المظلومين من الظالمين وعلى أنه لا يجوز أن يكون على المسلمين في وقت واحد في جميع الدنيا إمامان، لا متفقان، ولا مفترقان]

((چاروں امام (ابو حنیفہ، مالک، شافعی، احمد، رحمۃ اللہ علیہم) اس بات پر متفق ہیں کہ امامت (خلافت) ایک فرض ہے اور یہ کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ایک امام (خلیفہ) کو مقرر کریں جو دین کے احکامات کو نافذ کرے اور مظلوموں کو ظالموں کے خلاف انصاف فراہم کرے۔ چاروں امام اس بات پر بھی متفق ہیں کہ مسلمانوں کو اس بات کی اجازت نہیں کہ ایک وقت میں ان کے دو امام (خلیفہ) ہوں، خواہ متفقہ یا متفرقہ طور پر...)[21]

طوالت کے خدشے سے ہم دیگر فقہا اور ائمہ کے اقوال نقل کرنے سے مجتنب ہیں۔ نیز، یہ کوئی غیر معروف موقف بھی نہیں جسے ثابت کرنے کی ضرورت ہو۔ تاہم، دور جدید میں مولانا مودودی نے جس منطقی استدالال کے ساتھ اس بیانیے کو پیش کیا ہے اس کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یہ اس لیے بھی کہ دور حاضر کے مسلم ذہن کا فوری استناد مولانا مودودی کا فکر اور استدلال بن گیا ہے۔ مولانا مودودی نے سیاسی اسلام کے بیانیے کو پیش کیا۔ انھوں نے ریاست اور اسلام کو ایک دوسرے کا مترادف قرار دیا۔ ان کے مطابق اسلام کا مقصد حکومتِ الہیہ کا قیام ہے۔ انہوں نے غیر اسلامی سیاسی انظمہ کو طاغوت قرار دیا، جن کے زیر حکومت مسلمانوں کا برضا رہنا غلط قرار دیا۔ انھوں نے مسلمانوں پر لازم قرار دیا کہ وہ جس ملک میں بھی ہوں دین کے سیاسی غلبے کی تگ ودو کرنا ان کا دینی فرئضہ ہے جس کا ترک خدا سے بغاوت کے زمرے میں آتا ہے۔

مولانا لکھتے ہیں:

{مسلمان اپنے اپنے ایمان کے تقاضے پورے نہیں کر سکتے جب تک وہ اسلامی معاشرہ اور اسلامی حکومت قائم نہ کر لیں۔ خدا کے قانون کی بالا دستی قائم کیے بغیر بحیثیت مسلمان زندگی نہیں گزار سکتے۔۔۔ انبیا اسی لیے مبعوث کیے گیے تھے کہ خدا کی حاکمیت کا نظام قائم کریں۔} [22]

مزید لکھتے ہیں:

{وہ (اسلام) اس بات کو گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں ہے کہ قوانین تمدن، جن پر اسٹیٹ کا نظام قائم ہوتا ہے، خدا کے سوا کسی اور کے بنائے ہوئے ہوں، اور خدا کی زمین پر اس کے باغی اس کو نافذ کریں، اور مسلمان ان کے تابع ہو کر رہیں۔۔۔ اسلام یہ تقاضا کرتا کہ مسلمان آگے بڑھ کر نظام زندگی پر قبضہ کریں۔} [23]

{اسلام کا اپنے مخصوص نظام زندگی کی طرف دعوت دینا عین اپنی فطرت میں اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ دوسرے انظمہ کو ہٹا کر ان کی جگہ اپنے نظام کی اقامت کا مطالبہ کرے اور اس مقصد کے لیے اپنے پیروؤں کو جد وجہد کی ان تمام صورتوں کو اختیار کرنے کا حکم دے جن سے یہ مقصد حاصل ہوا کرتا ہے۔} [24]

مولانا مندرجہ ذیل آیت سے مسلمانوں کی عالمگیر امامت کا استدلال کرتے ہیں:

"الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ"

((یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے منع کریں گے اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔)) [25]

گویا وہ منکر کے دائرے میں شرک، کفر اور بدی کے تمام مظاہر شامل کرتے ہیں، نیز آخری درجے میں وہ طاقت سے ان کو مٹانے کا حکم بھی اس آیت سے اخذ کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کے مطابق قرآن مجید میں جہاں جہاں 'الارض' یعنی زمین پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہو گی یا ہونی چاہیے، اس سے مراد وہ پورا کرہ ارض لیتے ہیں۔ (ملخص الجہاد فی الاسلام) [26] مولانا مودودی کے فکر سے متاثر ہو کر سید قطب نے "معالم الطریق" تصنیف کی، جس نے عالم عرب کی جہادی تحریکوں میں سیاسی اسلام کے اسی جہادی بیانیے کو فروغ دیا۔ ہمارا استدالال یہ ہے کہ دین نے مسلمانوں پر ان کے سیاسی غلبے کے حصول کی کوئی ذمہ داری نہیں ڈالی۔ ایسا کوئی حکم سرے سے موجود نہیں۔ ایک تاریخی تراث کو دینی تقاضے باور نہیں کرایا جاسکتا۔ چناں چہ جو دعوت دوسروں کی محکومی کو اس دنیا میں خدا کے دین کا منتہا سمجھتی ہے، برابر کے شہری حقوق دینے میں اسلام اور غیر اسلام میں فرق کرتی ہے، ایک کو عطا کرنے والا اور دوسرے کو لینے والا بناتی ہے، دین اسلام کا منشا نہیں اور اس کے قبول کرنے میں غیر مسلم دلچسپی نہیں لے سکتا۔

متبادل بیانیہ

دور حاضر میں مکتب فراہی کے علما نے قرآن کے نصوص کی روشنی میں یہ واضح کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا اپنے مخالفین پر غلبہ پانا رسولوں کے ساتھ پیش آنے والا ایک خاص معاملہ تھا جو آپ کو در پیش خاص حالات میں وقوع پذیر ہوا۔ اس کا تعلق دین کی تعلیمات سے نہیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت یا سر گزشت سے ہے [27]۔ اس کا مقصد عبرت ہے تقلید نمونہ نہیں۔ مقالہ نگار کے نزدیک یہی بات درست ہے۔ اس قانون کا تعلق سنت رسول سے نہیں، سنت اللہ سے ہے۔ سنت اللہ یہ ہے کہ خدا کے رسول اپنے مخالفین پر غالب آکر رہتے ہیں۔ اس قانون الٰہی کو قرآن مجید میں بیان فرمایا گیا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ

(جو اللہ اور اُس کے رسول سے دشمنی کریں گے، وہی سب سے بڑھ کر ذلیل ہونے والوں میں ہوں گے۔ (اِس لیے کہ) اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب ہو کر رہیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ بڑے زور والا اور بڑا زبردست ہے۔) [28]

خدا کی اس سنت کا ظہور نوحؑ سے شروع ہوا اور رسول اللہ ﷺ پر رسالت کے خاتمہ کے ساتھ ختم ہو گیا۔ اس کا مقصد وہ نشانِ حق قائم کرنا تھا جو زندہ خدا کے وجود کی دلیل بن جائے۔ نیز دین اپنی تمام جامعیت کے ساتھ وجود پذیر ہو سکے، تاکہ آنے والے مسلم سماجوں کے لیے نمونہ عمل بنے۔

کچھ رسولوں کے ہاں ان کا غلبہ ان کے مخالفین کے استیصال اور ان کے منصوبوں کی ناکامی

کی صورت میں سامنے آیا اور بعض رسولوں کے ہاں، ان کے متعلقین کی خاطر خواہ تعداد کے میسر آنے پر یہ غلبہ سیاسی تفوق کی صورت اختیار کر گیا۔ موسیٰ اور محمد علیہما السلام کے ہاں یہ دوسری صورت پیش آئی۔

آپؐ نے جزیرہ نمائے عرب میں اپنے مخالفین کو اپنے ساتھیوں کی مدد سے شکست دی اور پورے حجاز پر آپؐ کا غلبہ قائم ہوا اور یوں خدا کے وعدے آپؐ کے حق میں پورے ہوئے۔

"هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُون "

(وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ (اِس سرزمین کے) تمام ادیان پر اُس کو غالب کر دے، خواہ مشرکین بھی اِسے کتنا ہی ناپسند کریں۔)[29]

آپؐ کے بعد یہ نظم حکومت صحابہ کو منتقل ہوا۔ یہ بھی دراصل ان کے ساتھ خدا کا وعدہ تھا جو پورا ہوا[30]:

"وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ"

(تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے اچھے عمل کیے ہیں، اُن سے اللہ کا وعدہ ہے کہ اُن کو وہ اِس سرزمین میں ضرور اُسی طرح اقتدار عطا فرمائے گا، جس طرح اُن سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو اُس نے عطا فرمایا تھا اور اُن کے لیے اُن کے دین کو پوری طرح قائم کر دے گا جسے اُس نے اُن کے لیے پسند فرمایا ہے اور اُن کے اِس خوف کی حالت کے بعد اِسے ضرور امن سے بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے، کسی چیز کو میرا شریک نہ ٹھیرائیں گے۔ اور جو اِس کے بعد بھی منکر ہوں تو وہی نافرمان ہیں۔)[31]

انھوں نے اپنی ہمسایہ سلطنتوں یعنی بازنطین اور ایران کو قبول اسلام، جزیہ کی ادائیگی یا جنگ کے ذریعے سے فتح و شکست کے انتخابات دیے، جس کے نتیجے میں ہونے والی جنگوں میں روم اور ایران کو شکست دے کر ایک عظیم سلطنت کی بنیاد رکھ دی۔

"أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَى مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَ آتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا "

(کیا یہ لوگوں سے اللہ کی اُس عنایت پر حسد کر رہے ہیں جو اُس نے اُن پر کی ہے؟ (یہی بات ہے تو سن لیں کہ) ہم نے تو اولاد ابراہیم (کی اِس شاخ) کو اپنی شریعت اور اپنی حکمت بخش دی اور اُنھیں ایک عظیم بادشاہی عطا فرما دی ہے۔)[32]

قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کے غلبے کی سرگزشت سنائی گئی ہے تاکہ معلوم ہو کہ رسول کس طرح غالب آتے ہیں۔ لیکن دین کو سیاسی طور پر غالب کرنے کو دین کے مطالبے کی حیثیت سے کہیں پیش نہیں کیا گیا۔ اس بارے میں کوئی ایک نص بھی وارد نہیں ہوئی۔ چنانچہ دین کا غلبہ کوئی دینی مطالبہ نہیں۔ قرآن مجید میں اطاعتِ رسول کا مطلب دین سے متعلق آپؐ کے احکام کی اطاعت ہے۔ سیاسی غلبے کے لیے آپ نے مسلمانوں کا پابند نہیں فرمایا۔ آپؐ کے بعد مسلمانوں کی حکومت کو خلافت کا لقب ملا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک تو یہ رسول اللہ ﷺ کی قائم کردہ حکومت کی نیابت تھی جسے عربی میں خلافت کہتے ہیں، دوسرے یہ کہ خلیفہ یعنی جانشین کا لفظ ارتقا پا کر حکمران کے معنی میں بھی مستعمل تھا۔ اس لیے بھی مسلمانوں کے حاکم کو خلیفہ کہا گیا۔ ہم جانتے ہیں کہ بنو امیہ اور بنو عباس وغیرہ کی خلافتیں درحقیقت بادشاہتیں تھیں، لیکن لقب خلیفہ ہی مستعمل رہا۔ خلافت سے متعلق آپؐ کے ارشادات سے خلافت کے قیام کو دینی مطالبہ بنا لینے کا کوئی جواز نہیں نکلتا، یہ سیاست و حکومت سے متعلق آپؐ کی ہدایات ہیں جو آپؐ اپنے بعد اپنے جانشینوں کو ایک پیش بیں مبصر کے طور پر دے رہے تھے۔ مثلاً:

((كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ، كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ، وَإِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي، وَسَتَكُونُ خُلَفَاءُ فَتَكْثُرُ، قَالُوا: فَمَا تَأْمُرُنَا؟ قَالَ: فُوا بِبَيْعَةِ الْأَوَّلِ، فَالْأَوَّلِ، وَأَعْطُوهُمْ حَقَّهُمْ، فَإِنَّ اللهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ))

(بنی اسرائیل کی سیاست انبیا کیا کرتے تھے۔ جب کوئی نبی فوت ہوتا تو اس کی جگہ دوسرا آ جاتا، لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ بلکہ میرے بعد خلفاء ہوں گے اور وہ کثرت سے ہوں گے۔" انھوں نے پوچھا: "آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟" آپ نے فرمایا: "ایک کے بعد ایک کی بیعت کرو۔ انھیں ان کا حق دو، یقیناً اللہ ان سے ان کی مسئولیت کے بارے میں پوچھے گا۔)[33]

ایک روایت میں ہے:

((إِذَا بُوِيعَ لِخَلِيفَتَيْنِ، فَاقْتُلُوا الْآخَرَ مِنْهُمَا))

(جب دو خلفا کی بیعت کی جائے تو بعد والے کو قتل کر دو۔)[34]

یہ قائم شدہ نظم حکومت کی بقا کے لیے درست ہدایات ہیں۔ اس میں قیام خلافت کے استدلال کا کوئی محل نہیں ہے۔ ایک استدلال یہ کیا گیا ہے کہ چونکہ دین کے بہت سے احکامات کا انحصار سیاست و حکومت سے متعلق ہے۔ اس لیے سیاست و حکومت کا حصول دین کا حصہ ہے۔ اس میں ایک بنیادی نقطہ ملحوظ نہیں رکھا جاتا جس کی وجہ سے دین کا سارا معاملہ بالکل الٹ کر رہ جاتا ہے۔ وہ بنیادی نقطہ یہ ہے کہ شرعی احکامات اپنی شرائط کی موجودگی میں لاگو ہوتے ہیں۔ مثلاً نماز تب فرض ہوتی ہے جب آدمی بالغ، عاقل، مومن، ہوش مند ہو، نماز کا وقت داخل ہو جائے وغیرہ، اسی طرح، زکوۃ کی ادائیگی کی

فرضیت کی دیگر بنیادی شرائط کے علاوہ یہ بھی ہے کہ آدمی کے پاس زائد ایک خاص نصاب کے مساوی یا زائد مال و دولت ہو۔ یہی حال حج اور دیگر فرائض دینیہ کا ہے۔ یہی اصلِ اصول شریعت کے تمام احکامات کے لیے ہے۔ اسی سے دوسری بات بداہتاً ثابت ہوتی ہے کہ شرائط کی غیر موجودگی میں احکامات لاگو نہیں ہوتے، یعنی یہ فرض نہیں کہ اگر کوئی بالغ نہیں ہے تو وہ بالغ ہونے کی کوشش کرے تاکہ شرعی احکامات پر عمل کر سکے، یا کسی کے پاس بقدر نصاب مال نہیں ہے تو اس پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا کہ مال جمع کرے تاکہ زکوۃ اور دین کے دیگر مالی احکامات پر عمل کر سکے۔ حالات میں یہ شرائط جب تک خود ظاہر نہ ہو جائیں تب تک شریعت کے احکامات لاگو نہیں ہوتے۔ نیز، ان شرائط کو برپا کرنے کا حکم کہیں نہیں دیا گیا۔

اب یہی اصلِ اصول، اجتماعیت سے متعلق شریعت کے احکامات پر بھی لاگو ہوتا ہے، یعنی کسی سماج میں مسلمان، اپنے سیاسی اور سماجی حالات کے تحت کسی علاقے یا ملک میں برسر حکومت آگئے ہیں تو شریعت کی رو سے ان پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اسلام کے اجتماعیت سے متعلق احکامات پر عمل درآمد کریں اور کرائیں۔ لیکن اگر حکومت ان کے اختیار میں نہیں، تو ان پر یہ فرض ہرگز عائد نہیں ہوتا کہ اجتماعیت سے متعلق دینی احکامات پر عمل درآمد کرنے اور کرانے کے لیے حکومت کے حصول کو بھی دینی فریضہ سمجھیں۔ البتہ، اپنے سماجی اور سیاسی مصالح کو مدنظر رکھتے ہوئے سیاست اور اقتدار کی جدوجہد مسلمانوں کی حکمت عملی کا تقاضا ہے، دین کا نہیں (اس وقت دین کے تقاضا کا محل بھی یہی ہے، اس لیے دوسرے پہلو سے یہی دین کا تقاضا بھی ہے[35])۔ جب وہ حکومت میں ہوں تو نظم اجتماعی سے متعلق شرعی احکامات اختیار کرنا اور ان کو مسلمانوں پر نافذ کرنا ان کی دینی ذمہ داری ہے۔

کیا اسلام ایک نظام یا ضابطہ حیات ہے؟

یہ تصور کہ اسلام ایک ضابطہ حیات جو تمام شعبہ ہائے زندگی کے لیے اپنے نظام رکھتا ہے، اسلام کو موجودہ انظمہ کے خلاف ایک حریف کے طور پر پیش کرتا ہے۔ اس تصور کے نزدیک انسان ساختہ انظمہ کی صالحیت اور نافعیت کی بحث لایعنی ہے۔ اگر یہ انسانی انظمہ ہیں تو طاغوت ہیں، جن کو توڑ کر اسلام کے انظمہ نافذ کرنا مسلمانوں پر لازم ہے۔ یہ نظریہ بھی غیر مسلم مدعوئین کے لیے اسلام کو طاقت کے میدان کا ایک حریف بنا کر پیش کرتا ہے اور دین کی دعوت کے قبول کرنے میں غیر ضروری رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔ تاہم، یہ اگر واقعی دین کا تقاضا ہے تو مسلمانوں کو اسے ایسے ہی پیش کرنا ہوگا اور ایسے ہی قبول کرنے کی دعوت دینا ہوگی۔ لیکن جب ہم غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے دنیوی معاملات میں کوئی نظام نہیں دیے، چہ جائیکہ مزعومہ اسلامی انظمہ کو انسانی انظمہ کے متبادل کے طور پر پیش کیا جائے۔

تاہم، اسلام دنیوی معاملات میں کچھ بنیادی اور اصولی نوعیت کی ہدایات جاری کرتا ہے جس سے نظام میں صالحیت اور توازن پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً، معاش کے معاملے میں سود اور جوا کی ممانعت اور سیاست کے معاملے میں شورائیت کی تلقین۔ باقی ہدایات اخلاقی نوعیت کی ہیں جیسے ضرر و غرر کی ممانعت اور سیاست و حکومت میں عدل و انصاف کی تلقین۔ اسلام خود کو کسی متبادل نظام کے طور پر پیش نہیں کرتا، بلکہ موجود انظمہ میں چند قوانین اور باقی اخلاقی نوعیت کی اصلاحات کی ہدایت کرتا ہے۔ دین کی یہی پوزیشن حقیقی ہے اور اسے قبول کرنا کسی کے لیے قابل اعتراض بھی نہیں ہو سکتا۔

دوسرا یہ کہ نظم اجتماعی سے متعلق دینی احکامات کا تعلق صرف مسلمانوں سے ہے۔ چنانچہ حدود کی سزائیں مسلمانوں پر نافذ ہوں گی، شراب نوشی پر پابندی مسلمانوں پر عائد ہوگی، زنا بالرضا، اگر کہیں سماجی برائی نہ سمجھا جاتا ہو تو اس کی ممانعت مسلمانوں کے لیے ہوگی۔ انسان کی سماجی زندگی کی اقدار کو دو زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: ایک وہ اقدار جو ناقابل تغیر یا مستقل نوعیت رکھتی ہیں اور دوسری وہ جو تغیر پذیر رہتی ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مستقل نوعیت کی اقدار کے لیے اسلام نظام دیتا ہے لیکن متغیر اقدار کے لیے چند ضروری اصول بتا دیتا ہے، نظام نہیں دیتا۔ ہمارے دور کے بہت سے فکری، سیاسی اور سماجی مسائل اس بنیادی فرق کو ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ مثلاً دین نے عبادات کا ایک مکمل نظام دیا ہے۔ وجہ یہی ہے کہ بنیادی طور پر عبادات ایک مستقل نوعیت کی قدر سے تعلق رکھتے ہیں۔ تاہم تغیر پذیر انسانی زندگی سے عملاً متعلق ہونے کی وجہ سے یہ اپنے نظام کے اندرونی ڈھانچے میں تغیر کو بھی قبول کرتا ہے، لیکن بنیادی ڈھانچہ تبدیل نہیں ہوتا۔ سماجی سطح پر نکاح و طلاق کے احکام، مرد و عورت کے اختلاط کے حدود، خورونوش، وراثت اور حدود کی سزائیں مستقل نوعیت کی اقدار سے متعلق ہیں، ہر سماج میں یہ موجود ہوتی ہیں۔ ان کے بارے میں شریعت کی ہدایات ایک نظام کی صورت میں موجود ہیں، یہ الگ بات ہے کہ ان کے اطلاق میں بھی حالات کے تغیرات کا لحاظ رکھا گیا ہے لیکن یہ سب بنیادی نظام کے اندر رہ کر کیا جاتا ہے۔ اس سے ہٹ کر، سماجی مظاہر مثلاً سیاست اور معیشت وغیرہ، مکمل طور پر تغیر پذیر اقدار سے متعلق ہیں۔ چنانچہ شریعت میں ان سے متعلق احکامات اصولی نوعیت کے ہیں، نظام کی شکل میں نہیں ہیں۔ اس بنا پر تمدنی اور سماجی معاملات میں کسی اسلامی نظام پر اصرار بے جا تکلف ہے۔ تمدن اور معاشرت انسان کے ذہنی اور مادی ارتقا کا سفر ہے۔ ارتقا کے اس سفر میں اچھی بری، خوب و ناخوب بلکہ متضاد اور مختلف اقدار سب ایک ساتھ نمو پاتی اور پھر وقت کے ساتھ اپنی افادیت کے ثبوت پر ترقی پاتی یا اپنی عدم افادیت کی وجہ سے مٹ جاتی اور نئی اقدار کے لیے جگہ چھوڑ دیتی ہیں۔ اس حقیقت کے پیش نظر کوئی مستقل نظام مقرر کرنا ممکنات میں سے نہیں۔ چنانچہ اس تغیر پذیر تمدن و معاشرت کے لیے اسلام اپنے ماننے والوں کو چند اصولی اور اخلاقی ہدایات دے کر باقی سب ان کی عقل اور تجربہ پر چھوڑ دیتا ہے۔

اسلامی نام

اپنے پیدائشی نام کے ساتھ انسان کی وابستگی مسلم ہے۔ بالعموم فرد اپنے نام تبدیل کرنا پسند نہیں کرتا۔ اسلام قبول کرنے پر یہ ایک اور قیمت ہے جس کا مطالبہ ایک غیر مسلم سے مسلمان ہوتے وقت کچھ عرصہ سے کیا جاتا ہے۔ یہ رواج کہ غیر مسلم سے مسلمان ہونے والوں کے "اسلامی نام" رکھے جائیں، بہت بعد میں پیدا ہونے والی بدعت ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے ادوار میں ایسا کوئی رواج نہ تھا۔ آپؐ سے جن چند اشخاص کے نام تبدیل کرنے کا ذکر آتا ہے اس کی وجہ ان کے ناموں کے مطلب میں پائی جانے والی کوئی قباحت تھی، جیسے شرکیہ نام یا بدفالی والے نام۔[36]

آپؐ کے بعد صحابہ نے جب بازنطین (روم) و ایران فتح کیے تو مسلمان ہونے والوں کے نام تبدیل کرائے گئے نہ حلیے۔ پرویز، رستم، شہریار، افراسیاب، جیسے فارسی نام خود مسلمانوں کے نام بن گئے۔ تاہم، بعد کے ادوار میں جب مسلم قومیت کا احساس زیادہ قوی ہو گیا اور اسلام کو مسلمانوں کا قومی مذہب سمجھ لیا گیا تو یہ بھی ضروری قرار دے دیا گیا کہ مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہونے کے لیے نام اور حلیہ دونوں تبدیل کرائیں جائیں تاکہ مسلمانوں کی عددی طاقت کا اظہار ہو سکے۔ اس سے قومی تفاخر کی راہ ہموار ہوئی جس نے مسلم اقوام کے لیے ان کے سماجوں میں بہت سی سیاسی اور سماجی قباحتیں پیدا کیں۔

اسلامی حلیہ

اسلام ایک آفاقی دین ہے جس نے ہر ملک اور ثقافت کے افراد کو اپنا مدعو بنانا ہے۔ اس نے کوئی ایک مخصوص حلیہ یا حلیے متعین کر کے نہیں دیے، لیکن یہ تاریخی واقعہ ہے کہ وقت کے ساتھ مختلف ممالک میں مسلمانوں کے مختلف دینی اور عوامی طبقات ثقافتی اور طبقاتی اثرات اور محرکات کے تحت مخصوص حلیے اختیار کرتے چلے گئے جنھیں پہلے مسلمانوں کے حلیے کہا گیا پھر یہ اسلامی حلیے کہلانے لگے۔ یہ امتیازی حلیے ثقافتی شناختیں بن گئیں اور ثقافتی شناختوں کے بارے میں انسانوں کی حساسیت ہمیشہ سے رہی ہے۔ یوں ایک خلط پیدا ہوا اور اسلام دیگر ثقافتوں کے مقابل ایک ثقافت بنا دیا گیا۔ اس پر طرہ یہ کہ ہر خطے کی یہ اسلامی ثقافت دوسرے خطوں کی اسلامی ثقافت سے بھی مختلف رہی، مگر اپنے اپنے علاقے میں وہی اسلامی ثقافت کی نمایندہ سمجھی گئی۔ قومیت کے احساس کے قوی تر ہونے سے اسلام کے نام لگائی گئی ان امتیازی ثقافتوں پر فخر کی نفسیات پیدا ہوئی اور اسی سے دیگر ثقافتوں کے لیے اجنبیت اور حقارت کے جذبات بھی پیدا ہوئے۔ نتیجتاً اسلام ایک آفاقی کی بجائے ایک قومی مذہب بنا دیا گیا۔ دنیا کے مختلف ممالک میں ایک جغرافیہ، ایک قوم، ایک رنگ اور بعض اوقات ایک نسل کے افراد کے درمیان اسلام اور غیر اسلام کے فرق سے ایک دوسرے سے پہلے اجنبیت پھر منافرت اور اگلے مراحل میں سیاست و اقتدار کی جنگ میں باہمی رقابت پیدا ہوئی جو الم ناک فسادات پر منتج بھی ہوئی۔ دین نے اس میں کسی چیز کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے دور میں حلیے کے اعتبار سے عرب کے مشرکین، یہود، نصاریٰ اور مسلمانوں میں کوئی امتیاز نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کبھی ایسا نہیں کیا گیا کہ کسی فرد کے مسلمان ہونے کے بعد مشرکین و کفار سے امتیاز ظاہر کرنے کے لیے کوئی مخصوص حلیہ اختیار کرنے کا حکم یا تلقین کی گئی ہو۔ چنانچہ یہ معلوم ہے کہ مسلم اور کافر کی پہچان سلام کرنے، کسی بستی سے آذان کی آواز سننے، نماز قائم کرنے اور زکوۃ ادا کرنے جیسے اعمال قرار پائے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا"

(ایمان والو، جب تم اللہ کی راہ میں (اس جنگ کے لیے) نکلو تو (کسی اقدام سے پہلے) تحقیق کر لیا کرو اور جو تمھیں سلام کرے، اُسے یہ نہ کہا کرو کہ تم مسلمان نہیں ہو۔)[37]

"فَإِنْ تَابُوا وَ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَ آتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ ۗ وَنُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ"

(سو اگر توبہ کر لیں اور نماز کا اہتمام کریں اور زکوۃ ادا کریں تو تمھارے دینی بھائی ہیں۔ ہم اُن لوگوں کے لیے اپنی آیتوں کی تفصیل کیے دے رہے ہیں جو جاننا چاہتے ہوں۔)[38]

غیر مسلم اقوام سے مشابہت کا مسئلہ

غیر مسلموں سے تشبہ سے ممانعت سے ثقافتی تشبہ کی ممانعت مراد لینے کے بارے میں جو غلط فہمی مسلم ڈسکورس میں در آئی اس کی دینی اصل غالباً رسول اللہ ﷺ سے منسوب ایک روایت کا ایک ٹکڑا ہے جسے اس کے تناظر سے کاٹ کر پیش کرنے سے یہ تاثر پیدا ہوا۔ وہ ٹکڑا یہ ہے۔

"مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُم"

(جس نے کسی قوم کی مشابہت اپنائی، وہ انھی میں سے ہو گا۔)[39]

((ابن عمر ہی کی روایت سے یہ حدیث جب امام ابو داؤد اپنی سنن کی "کتاب اللباس" میں لائے، تو (معلوم ہوتا ہے کہ، مقالہ نگار) چونکہ اس کے بعض جملے "کتاب اللباس" سے میل نہیں کھاتے تھے، لہٰذا انھوں نے وہ جملے محذوف کر دیے اور آخری جملہ نقل کرنے پر اکتفا کی۔))[40]

اس سے گویا یہ طے ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد غیر مسلموں سے لباس کے معاملے میں امتیاز اختیار کرنے کی ترغیب دے رہا ہے۔ تاہم، اس حدیث کا پورا متن مسند احمد میں آیا ہے جس سے معاملہ واضح ہو جاتا ہے:

((حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ يَعْنِي الْوَاسِطِيَّ، أَخْبَرَنَا ابْنُ ثَوْبَانَ، عَنْ حَسَّانَ بْنِ عَطِيَّةَ، عَنْ أَبِي مُنِيبٍ الْجُرَشِيِّ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «بُعِثْتُ بِالسَّيْفِ حَتَّى يُعْبَدَ اللَّهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَجُعِلَ رِزْقِي تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِي، وَجُعِلَ الذِّلَّةُ، وَالصَّغَارُ عَلَى مَنْ خَالَفَ أَمْرِي، وَمَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ))

(ابن عمر کہتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے تلوار کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے۔ کہ میں تلوار کے ساتھ جہاد کروں حتیٰ کہ صرف اللہ، جس کا کوئی شریک نہیں کی عبادت کی جائے۔ میرا رزق میرے نیزے کے تحت رکھا گیا ہے۔ اور جو میری مخالفت کرے گا، اس کے لیے ذلت اور میری ماتحتی لکھ دی ہے، جس نے کسی قوم کی مشابہت کی، وہ ان میں سے ہوگا۔)[41]

آپؐ کا یہ ارشاد غالباً اس موقع صادر ہوا ہے جب ہجرت کے بعد آخری مرحلہ میں منکرین اور معاندین کے خلاف عام جہاد کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہود اور منافقین اور دیگر مخالفین کو تہدید آمیز انداز میں یہاں یہ بتایا جارہا ہے کہ اگر انھوں نے بھی وہی روش اختیار کی جو آپؐ کے خلاف علانیہ کفار نے اپنا رکھی ہے تو ان کا شمار بھی انھیں میں کیا جائے گا جن کا علاج تلوار مقرر کیا گیا ہے۔ دیکھا جاسکتا ہے کہ اس ارشاد کے مخاطب مسلمان ہیں اور نہ یہ انھیں لباس وغیرہ میں غیر مسلموں سے الگ امتیازی علامات قائم کرنے کا کہا جارہا ہے۔ اس کے برعکس یہ بات معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ یہ رہا تھا کہ جن معاملات میں دین کو کوئی حکم نہ آجاتا، آپؐ اہل کتاب کے طریقے پر عمل کر لیا کرتے تھے۔ دینِ ابراہیمی کے حامل ہونے کی بنا پر ان کے اعمال میں جو روایات درست حالت میں موجود تھیں وہ مسلمانوں کے لیے بھی وجہ استدلال بنتیں اور ان کے بنیاد پر عمل کے واقعات بھی ملتے ہیں۔ تاہم ان یہود و نصاریٰ کے بعض ایسے اعمال جن کا تعلق بدعات سے تھا، جنھیں وہ دین کے نام پر کرتے تھے، ان کی مخالفت کا حکم رسول اللہ ﷺ کی طرف سے دیا گیا تھا۔ یہ ان کے ہر ہر عمل کی مخالفت کا حکم کبھی نہیں دیا گیا، جیسا کہ بعد میں مشہور ہو گیا۔

داڑھی کا مسئلہ

اسلامی حلیے سے متعلق ایک معرکۃ الآرا مسئلہ داڑھی کے سنت رسول ہونے یا نہ ہونے کا ہے۔ فقہا کے ہاں اس کا وجب مختلف فیہ ہے۔ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے مروی احادیث پر سند کے اعتبار سے محدثین نے کلام کیا ہے۔ تاہم، جو بات معتبر طرق سے حاصل ہوئی ہے اس میں یہود، نصاریٰ اور بعض روایات میں مجوس کی مخالفت میں داڑھی بڑھانے اور مونچھوں کو پست رکھنے کا ذکر آیا ہے۔ اس مفہوم کی روایت کا ایک جامع متن مسند احمد سے دستیاب ہے جس سے بات کی مکمل تفہیم ہو جاتی ہے۔ یہ روایت مسند احمد میں حضرت ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى مَشْيَخَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ بِيضٌ لِحَاهُمْ فَقَالَ: «يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ حَمِّرُوا وَصَفِّرُوا، وَخَالِفُوا أَهْلَ الْكِتَابِ» . قَالَ: فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ يَتَسَرْوَلُونَ وَلَا يَأْتَزِرُونَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «تَسَرْوَلُوا وَ ائْتَزِرُوا وَخَالِفُوا أَهْلَ الْكِتَابِ» . قَالَ: فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ يَتَخَفَّفُونَ وَلَا يَنْتَعِلُونَ. قَالَ: فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «فَتَخَفَّفُوا وَ انْتَعِلُوا وَخَالِفُوا أَهْلَ الْكِتَابِ» . قَالَ: فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ يَقُصُّونَ عَثَانِينَهُمْ وَيُوَفِّرُونَ سِبَالَهُمْ. قَالَ: فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قُصُّوا سِبَالَكُمْ وَوَفِّرُوا عَثَانِينَكُمْ وَخَالِفُوا أَهْلَ الْكِتَابِ))

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک موقع پر انصار کے بعض ایسے بزرگوں کی مجلس میں تشریف لے گئے جن کی داڑھیاں سفید تھیں۔ آپؐ نے دیکھا تو فرمایا: تم اپنی ڈاڑھیوں کو سرخ یا زرد رنگ سے رنگ لیا کرو۔ اور اِس طرح اہل کتاب کی مخالفت کرو۔ حضرت ابو امامہ فرماتے ہیں: اُس موقع پر ہم نے آپؐ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اہلِ کتاب پاجامہ پہنتے ہیں؛ وہ تہ بند نہیں باندھتے۔ اِس پر آپؐ نے فرمایا: تم پاجامہ بھی پہنو اور تہمد بھی باندھو۔ اِس طرح اہل کتاب کی مخالفت کرو۔ ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ اہل کتاب چمڑے کے موزے استعمال کرتے ہیں؛ جوتے نہیں پہنتے۔ اِس پر آپؐ نے فرمایا: تم موزے بھی پہنا کرو اور جوتے بھی استعمال کرو۔ اِن اہل کتاب کی مخالفت کرو۔ پھر فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اہل کتاب اپنی ڈاڑھیوں کو تراشتے اور مونچھوں کو بڑھاتے ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: تم اپنی مونچھوں کو تراش کر رکھو اور ڈاڑھیاں بڑھالو۔ اور اِن اہل کتاب کی مخالفت کرو۔)[42]

معاصر عالم و محقق شیخ شعیب الارناؤوط نے اس روایت کو "صحیح" قرار دیا ہے۔ جبکہ امام حدیث شیخ ناصر الدین البانی نے اِسے "حسن" قرار دیا ہے۔[43] اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ کچھ بدعات کا تھا جو دینی حوالے سے یہود میں رائج ہو گئی تھیں۔ اس کی مخالفت کا حکم ہے۔ ورنہ اہل کتاب کی مطلق مخالفت دین کا مقصود نہیں بلکہ خود رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کا یہ طرز عمل تھا کہ جن معاملات میں شریعت کی رہنمائی ابھی میسر نہیں آئی ہوتی تھی، اس میں اہل کتاب کے طریقے کی پیروی کر لی جاتی تھی۔ اس روایت میں مذکور کسی عمل کو مستقلا واجب نہیں سمجھا گیا۔ یہی معاملہ داڑھی کا ہے۔

"اُن احادیثِ باب کو جمع کر کے اُن کے موقع و محل کی رعایت کرتے ہوئے اگر دقّتِ نظر سے اُن پر تدبر کیا جائے تو یہ بات بھی خود اُن روایتوں ہی سے واضح ہو جاتی ہے کہ مثبت طور پر کسی مستقل حکمِ شرعی کی حیثیت سے ڈاڑھی رکھنے کا حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن ارشادات میں بھی سرے سے بیان ہی نہیں ہوا ہے۔ بلکہ اُن میں تو آپؐ نے ڈاڑھی اور مونچھ، دونوں کے معاملے میں بعض مجوسیوں، مشرکوں اور اہل کتاب میں پائی جانے والی اُس متکبرانہ وضع کو ترک کرنے کی نصیحت مسلمانوں کو فرمائی ہے جس میں لوگ چھوٹی ڈاڑھی اور بڑی بڑی مونچھیں رکھتے تھے۔ غرور و تکبر پر دلالت کرنے والی یہ وضع، ظاہر ہے کہ ایک مسلمان کے اخلاقی تزکیے کو مجروح کر دیتی ہے۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا تم ڈاڑھی بڑھالو، لیکن مونچھیں ہر حال میں چھوٹی رکھو۔ آپؐ کی اِس نصیحت کا صحیح محل یہی تھا۔ مگر لوگوں نے اِسے ڈاڑھی بڑھانے کا مستقل حکم سمجھا اور اِس طرح ایک ایسی چیز دین میں داخل کر دی جو اُس سے کسی طرح متعلق نہیں ہو سکتی۔

احادیثِ باب سے مسلمان مرد کے لیے ڈاڑھی سے متعلق کسی مستقل دینی حکم کو اخذ کرنے کی گنجایش بھی اُس وقت پیدا ہو سکتی تھی، جب روایتوں میں اِس سے متصل مونچھوں کو پست رکھنے کے ساتھ غیر مسلموں سے اظہار مخالفت کا کوئی تذکرہ موجود نہ ہوتا۔ اِس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ محض اخبارِ آحاد سے مستقل نوعیت کے احکامِ شریعت اخذ کرنے والے اصحاب کے لیے بھی اگر تدبر کی نگاہ سے دیکھا جائے تو روایاتِ باب میں کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔[44]

اس کے برعکس جن احادیث میں خصائص فطرت مطلقاً اور مستقلاً گنوائے گئے ہیں اور وہاں غیر مسلموں سے مخالفت کا ذکر نہیں، وہاں داڑھی کا ذکر نہیں آیا:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: " الفِطْرَةُ خَمْسٌ: الخِتَانُ، وَالاِسْتِحْدَادُ، وَقَصُّ الشَّارِبِ، وَتَقْلِيمُ الأَظْفَارِ، وَنَتْفُ الآبَاطِ))

(ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا فرماتے تھے: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پانچ چیزیں فطری خصائل میں شامل ہیں: ختنہ کرانا، زیر ناف مونڈنا، مونچھ کترانا، ناخن ترشوانا اور بغل کے بال نوچنا۔)[45]

مونچھوں کو چھوٹا کرنا چونکہ خورونوش کے تزکیے سے متعلق ہے کہ کھاتے پیتے وقت مونچھوں کے بال کھانے کو آلودہ نہ کریں، اس لیے مونچھوں کا پست کرنے کو دینی اعمال کا حصہ بنانا قابل فہم ہے۔ ڈاڑھی کو دینی شعار قرار دینے کی بجائے عادت اور عرف پر چھوڑنا درست موقف ہے۔[46] یہ انسانی نفسیات ہے کہ اسے دین پر عمل کرنا اتنا مشکل معلوم نہیں ہوتا جتنا اپنی ثقافت اور کلچر کو تبدیل کرنا۔ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں، اسلام کے تیزی سے پھیلنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی، کہ مسلمان ہونے والوں سے عقیدہ اور اعمال کی تبدیلی کے علاوہ، اور کسی ثقافتی تبدیلی کا مطالبہ نہیں کیا جاتا تھا، ورنہ سارا جھگڑا حلیے اور ظاہری رسوم پر رہتا اور اسلام کا اصل مقصد یعنی عقیدہ اور اعمال کی اصلاح، پس پشت چلا جاتا، جیسا کہ اب ایسا ہو چکا ہے۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام کے اولین داعیوں کا فہم دین کتنا بلند تھا، اور انہوں نے دین کی کتنی درست خدمت کی تھی۔

خلاصہ کلام

دین اسلام ایک آفاقی دین ہے مگر اس کی دعوت کی راہ میں حائل سب سے بڑی رکاوٹ وہ فکر ہے جو دین کے ساتھ مسلمانوں کے سیاسی اور تہذیبی غلبے کو بھی دین کا تقاضا سمجھتی ہے۔ یہ غیر ضروری مطالبات دعوت دین میں رکاوٹ کا سبب ہیں۔ اسلام ایک دعوتی مذہب کی بجائے ایک قومی مذہب بن کر رہ گیا ہے۔ کتاب و حکمت کی غایت تزکیہ نفس بتایا گیا ہے۔ یہ تزکیہ عقائد و اعمال کا بھی ہے، اخلاق و کردار کا بھی، خورونوش کا بھی اور بدن کی نجاسات سے بھی۔ فرد کا تزکیہ جب ہو جائے گا تو وہ حاکم ہو یا محکوم تاجر ہو یا مزدور، اس اخلاق کا مظاہرہ کرے گا جو اللہ تعالی کو مطلوب ہے۔ ایسے افراد اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں دین سے متعلق ان احکام کو تسلیم کریں گے جو سماج میں اس کے مقام و حیثیت کے تعلق سے اس پر لاگو ہوتے ہیں۔ دین کی یہ سادہ پوزیشن ہی ہمارے نزدیک درست ہے۔ اسی تناظر کے ساتھ اگر اس کی دعوت دی جائے گی تو یہ دین کے مطابق بھی ہے اور مدعو کے لیے قابل قبول بھی ہو گی۔

REFERENCES - حوالہ جات

[1] *Āl ʿImrān*, 3:104

[2] *al-Naḥl*,16:125

[3] *Ṣaḥīḥ Muslim*, Kitāb al-Īmān, Bāb al-Dalīl ʿalā anna man dalla ʿalā khayr fa-lahu mithlu ajri fāʿilihi, Ḥadīth no. 1893

[4] *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*, Kitāb al-Jihād wa-l-Siyar, Bāb Faḍl man aslama ʿalā yadayhi rajul, Ḥadīth no. 2942/ *Ṣaḥīḥ Muslim*, Kitāb Faḍāʾil al-Ṣaḥābah, Bāb min Faḍāʾil ʿAlī ibn Abī Ṭālib, Ḥadīth no. 2406

[5] *al-Naḥl*,16:125

[6] After the acceptance of the call to Islam, the establishment of the religious system (*Iqāmat al-Dīn*) is a distinct matter that also necessitates the protection of the rights of minorities living within its framework, and in this regard Islamic teachings related to jihād, the establishment of religion, political order, and the injunctions of da'wah must be understood within their respective spheres; the present paper departs significantly from traditional religious interpretations, as many contemporary writings emerge in response to immediate contextual demands and may legitimately be disagreed with, and on this basis the

author's divergence from tradition is evident, particularly in light of the intellectual and practical contradictions among Muslims shaped by prolonged colonial domination, which have produced conditions addressed in this study, while the failures of prevailing politics and the inhuman atrocities committed by so-called jihadi groups in the name of Islam have generated serious questions and challenges regarding Islamic political dominance, the notion of civilizational conflict, and the concept of jihād, thereby becoming obstacles to non-Muslims' receptivity to Islam; these challenges, however, can be addressed in accordance with the guidance of Qur'ān 16:125 by adopting a style of da'wah that is intelligible to non-Muslims in the contemporary context and attentive to the nature of the audience, and by understanding Islam's collective social order in the light of modern exigencies through the thought of Shāh Walī Allāh (may Allah have mercy on him), recognizing that Islamic political dominance was a certainty in the Prophetic era due to the complete implementation of divine guidance and the fulfillment of Allah's promise, but in the post-Prophetic period remains a matter of possibility that may materialize through wise strategies shaped by time and circumstances, for Muslims are obligated to cultivate their character and strategy in a manner that can, by Allah's will, yield outcomes comparable to those of the earliest generations, namely the Prophetic period and the era of the Rightly Guided Caliphate. (Co-Author, Dr. Abdul Basit)

[7] *Āl ʿImrān*, 3:19
[8] *Āl ʿImrān*, 3:85
[9] *al-Jumuʿah*, 62:2
[10] *al-Baqarah*, 2:143
[11] Muḥammad ibn Ismāʿīl al-Bukhārī, *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī* (Beirut: Dār Ṭawq al-Najāh, 2001), no. 1741
[12] *al-Mujādalah*, 58:21–22
[13] *al-Nūr*, 24:54–56
[14] *al-Nisā'*, 4:54
[15] Abū ʿAbd Allāh Muḥammad ibn Aḥmad al-Qurṭubī, *Tafsīr al-Qurṭubī* (Cairo: Dār al-Kutub al-Miṣriyyah, 1964), 2/354
[16] Muḥammad ibn Aḥmad al-Sarakhsi, *al-Mabsūṭ* (Beirut: Dār al-Maʿrifah, 1993), 10:2
[17] Muḥammad ibn Aḥmad al-Sarakhsi, *al-Mabsūṭ* (Beirut: Dār al-Maʿrifah, 1993), 10:2
[18] Muḥammad ibn Aḥmad al-Sarakhsi, *al-Mabsūṭ* (Beirut: Dār al-Maʿrifah, 10:6
[19] Muḥammad ibn Aḥmad al-Sarakhsi, *al-Mabsūṭ* (Beirut: Dār al-Maʿrifah, 10:86
[20] Dr. ʿAmmār Khān Nāṣir, *Jihād: Aik Muṭālaʿah* (Lahore: Al-Mawrid, 2013), 258a
[21] ʿAbd al-Raḥmān ibn Muḥammad ʿAwaḍ al-Jazīrī, *al-Fiqh ʿalā al-Madhāhib al-Arbaʿah* (Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, 2003), 5:366
[22] Mawlānā Sayyid Abū al-Aʿlā Mawdūdī, *Islāmī Rīyāsat* (Lahore: Islamic Publications, Shah Alam Market, 1998), 59
[23] Mawlānā Sayyid Abū al-Aʿlā Mawdūdī, *Islāmī Rīyāsat* (Lahore: Islamic Publications, Shah Alam Market, 1998), p. 67
[24] Mawlānā Sayyid Abū al-Aʿlā Mawdūdī, *Islāmī Rīyāsat* (Lahore: Islamic Publications, Shah Alam Market, 1998), p. 66
[25] *Sūrat al-Ḥajj*, 22:41
[26] Mawlānā Mawdūdī, al-Jihād fī al-Islām (Lahore: Idārah Tarjumān al-Qurʾān, Urdu Bazar, 1996), 91–92
[27] For details, see: Jāvid Aḥmad Ghāmidī, *Mīzān*, Bāb Qānūn-e-Jihād; *Bāb Qānūn-e-Daʿwat* (Lahore: Al-Mawrid, 2018
Autor's book: *Qānūn-e-Itmām-e-Ḥujjat aur Iske Iṭlāqāt, Numāyān Iʿtirāzāt kā Jāʾizah* (Lahore: Al-Mawrid, 2020
[28] *al-Mujādilah*, 58:20–21
[29] *al-Tawbah*, 33
[30] And on the basis of harmony between belief and practice, this promise still exists today. (Co-Author)
[31] *al-Nūr*, 55
[32] *al-Nisā'*, 54
[33] Muslim ibn al-Ḥajjāj, *Ṣaḥīḥ Muslim* (Beirut: Dār Iḥyāʾ al-Turāth al-ʿArabī), no. 1471
[34] Muslim ibn al-Ḥajjāj, *Ṣaḥīḥ Muslim* (Beirut: Dār Iḥyāʾ al-Turāth al-ʿArabī), no. 1480
[35] Co-Author, Dr. Abdul Basit.
[36] ʿIshtu in shāʾa Allāhu an anhā ummatī an yusammū Nāfiʿan wa Aflaha wa Barakata, fa-inna al-rajula yaqūlu idhā jāʾa: a-thamma Barakah? fa-yaqūlūna: lā. *(Abū Dāwūd Sulaymān ibn al-Ashʿath, Sunan Abī Dāwūd, Beirut: al-Maktabah al-ʿAṣriyyah, Ṣaydā).*
The Noble Prophet (peace and blessings be upon him) said: *God willing, if I remain alive, I will forbid my community from giving the names Nāfiʿ, Aflah, and Barakah, lest it happen that someone comes and asks, 'Is Barakah here?' and the reply is given, 'No.'*
[37] *al-Nisā'*, 4:94
[38] *al-Tawbah*, 9:11
[39] Abū Dāwūd Sulaymān ibn al-Ashʿath, *Sunan Abī Dāwūd* (Beirut: al-Maktabah al-ʿAṣriyyah, Ṣaydā), no. 4031
[40] Sājid Ḥamīd, "Matn-e-Ḥadīth meñ ʿUlamā ke Taṣarrufāt," *Mahnāmah Ishrāq*, Lahore, July 2013
[41] Aḥmad ibn Ḥanbal, *Musnad Aḥmad* (Cairo: Dār al-Ḥadīth), no. 5114
[42] Aḥmad ibn Ḥanbal, *Musnad Aḥmad* (Cairo: Dār al-Ḥadīth), no. 22283
[43] Muḥammad Nāṣir al-Dīn al-Albānī, *Jilbāb al-Marʾah al-Muslimah* (Dār al-Salām li-l-Nashr wa-l-Tawzīʿ, 2002), 185
[44] ʿĀmir Gazdar, "Musalmān Mard ke liye Dāṛhī kā Ḥukm," *Al-Mawrid*, accessed 16 Aug 2022, Accessed 16 Aug, 2022
Link:
https://www.almawrid.org/Question/60a204a3923f0b12074d8020/%D9%85%D8%B3%D9%84%D9%85%D8%A7%D9%86-%D9%85%D8%B1%D8%AF-%DA%A9%DB%92%D9%84%DB%8C%DB%92-%D8%AF%D8%A7%DA%91%DA%BE%DB%8C-%DA%A9%D8%A7-%D8%AD%DA%A9%D9%85
[45] *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*, no. 5891
[46] This point of view belongs to Mr. Javed Ahmad Ghamidi; see *Maqāmāt* (Lahore: Al-Mawrid, 2014), pp. 237–238.